مجلس شام غریباں

ذاکر شام غریباں عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید کلب حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ

جاہل اور بد باطن انسانوں کا خیال ہے کہ امام حسینؑ کربلا میں ملک لینے اور سلطنت حاصل کرنے کی غرض سے تشریف لائے تھے جہاد کر کے فتح حاصل کرنا آپ کی تمنا تھی۔ لیکن یہ غلط اور محض بے بنیاد الزام ہے۔ اگر آپ کی نظر اپنے اس مظلوم امام کی پوری سوانح عمری اور تمام حالات زندگی پر ہو تو آپ میری تصدیق کریں گے کہ امام حسینؑ کی نیت جہاد کی ہوتی اور آپ کے جہاد کی غرض فتح ہوتی تو ہمارا امام اتنا بے اثر نہ تھا کہ وہ لشکر جمع نہ کر سکتا۔ دو چار ہزار آدمی مدینے سے دس بیس ہزار آدمی ایام حج میں مکہ سے یمن سے بصرہ سے مختلف قبائل عرب سے تیس چالیس ہزار کا لشکر جمع کر لینا امام حسینؑ کے واسطے بڑی بات نہ تھی۔ حضرت کے طلب کے بغیر صرف راستہ ہی میں ہزار آدمی سے زائد آپ کے ہمراہ ہو گئے تھے تو اگر لشکر جمع کرنے کی کوشش کرتے تو کتنے آپ کے ساتھ ہوتے مگر حضرت کی یہ غرض تھی ہی نہیں۔ نہ مدینے میں لشکر جمع کیا، نہ مکہ میں اعلان جہاد کیا، نہ شہروں شہروں سے لوگوں کو بلانے کی کوشش کی بلکہ برخلاف اس کے جو لوگ ادھر ادھر سے جمع ہو گئے تھے ان کو بھی اپنی غرض بتا بتا کے اپنی شہادت کی خبر سنا سنا کے الگ کرنا شروع کیا اور صرف ان ہی لوگوں کو ساتھ رکھنے کی کوشش کی بلکہ خط لکھ کر بلایا جن سے بہتر شہیدوں کی تعداد پوری ہوتی ہے جو اپنے ایمان میں کامل ہوں کہ شہادت کی خبر سن کر دین کو نہ چھوڑیں، بلکہ اور ثبات قدم میں اضافہ ہو جائے۔ کچھ لوگ مکہ سے چلے مگر وہی جو بڑھے بھی ہوں تو ہاتھ نہ کانپیں۔ کچھ لوگ راستے سے لئے مگر ایسے جو شہادت کی خوشخبری سے جھومنے لگیں۔ ہاں عورتیں بھی ساتھ لیں مگر وہی جو وقت آخر اپنے دل کے ٹکڑوں کا سر زانو پر لیں مگر چہرے سے خون پونچھیں اور کہیں اے نور نظر تم نے ہم کو فاطمہ زہراؑ سے سرخرو کر دیا، روئیں تو مگر بے صبر نہ ہوں سینہ زنی کریں مگر بددعا نہ کریں، اسیر ہو جائیں مگر حق کا اعلان کرتی رہیں، ہاتھوں میں رسیاں تو بندھیں مگر تبلیغ ایمان سے زبان نہ رُکے، قید خانے میں ہوں مگر اسلام کو آزاد کرتی رہیں۔ دیکھ چکے تھے حسینؑ کہ نانا نے جہاد کیا مگر منافقوں کی شدت نہ رُکی۔ علیؑ دشمنان اسلام سے لڑے مگر منافقوں نے اعترض کر ہی دیا کہ علیؑ سلطنت لینے کے واسطے لڑے۔ اب اے حسینؑ! تم نے انداز جہاد یوں بدل دیا کہ اگر کوئی بد باطن کہہ بھی دے کہ حسینؑ سلطنت کے واسطے لڑے تو مسلمان نہیں، کافر دوست نہیں، دشمن موافق نہیں، مخالف بھی زبان پکڑ لیں گے کہ نہیں ہرگز حسینؑ سلطنت کے واسطے نہیں لڑے۔ دین کے واسطے لڑے ایمان کے واسطے لڑے۔ خدا کے واسطے لڑے بلکہ انسانیت کی حمایت کے واسطے لڑے۔ افسوس وقت تنگ ہے میری قوت ختم ہے۔ آواز ساتھ چھوڑ چکی ہے جو کہنا چاہتا ہوں وہ ایک سمندر ہے۔ کیونکر کوزہ میں بند کروں۔ کیونکر سمندر کو نقطہ اور دریا کو قطرہ بنا کے سامعین تک پہنچاؤں۔ میرا دعویٰ ہے کہ انسانیت اور اسلام دو لفظیں بظاہر الگ ہیں۔ مگر درحقیقت ایک ہیں۔ تعلیم انسانیت اور تبلیغ اسلام دو جملے الگ ہیں مگر معنی ایک ہیں۔ احکام مذہب اور حسن اخلاق دو عبارتیں جدا جدا ہیں۔ مگر مطلب ایک ہی ہے مومن کامل اور کردار کی بلندیاں بظاہر جدا ہیں مگر در اصل ہیں ایک ہی۔

انسان اور حیوان آدمی اور جانور ہیں، صورت کا فرق کوئی

فرق نہیں۔ ناک نقشہ کا بل کوئی بل نہیں۔ کیا ہزاروں قسم کے جانوروں میں ہر جانور کی صورت الگ نہیں ہے؟ مگر اس صورت کے فرق نے کسی ایک جانور کو بھی حیوانیت سے جدا نہیں کیا۔ بڑے سے بڑے فرق کے بعد بھی سب جانور ہی رہے۔ تو انسان کی صورت کے فرق نے انسان کو حیوان سے جدا نہیں کیا۔ خواہشات وجذبات اور احساسات کے فرق نے بھی انسان کو جانور سے الگ نہیں کیا۔ کھانا پینا جس طرح انسان میں ہے، اسی طرح جانور میں۔ محبت وعداوت جس طرح انسان میں ہے، اسی طرح جانور میں بھی۔ توالد وتناسل (Reproduction) جس طرح انسان میں ہے، اسی طرح جانور میں۔ مگر عقل اور صرف عقل ہے جو انسان میں ہے اور جانور میں نہیں ہے۔

یہ تو ناممکن ہے کہ انسان اپنی ایسی خواہش سے کام نہ لے جو جانوروں میں بھی موجود ہے۔ کون ہے جو کھانا پینا، سونا جاگنا، توالد وتناسل، غیظ وغضب، محبت وعداوت سے دست بردار ہو جائے؟ ناممکن اور بالکل ناممکن ہے۔

ان تمام قوتوں سے انسان کام لے گا اور ضرور کام لے گا۔ تو پھر انسان وحیوان میں فرق کیا رہے گا؟ میں آپ سے عرض کروں کہ فرق بہت نازک ہے اور صرف یہ کہ جب حیوان انھیں قوتوں سے کام لے گا، تو ان کا بندہ بن کے کام نہ بنے گا۔ اور انسان جب ان قوتوں سے کام لے گا، تو ان کا بندہ بن کر کام نہ لے گا۔ جب فرق نکل آیا تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ جس انسان نے عقل ہونے کے بعد عقل سے کام نہ لیا، اور جذبات وخواہشات کا بندہ بن گیا، وہ جانور سے بھی بدتر ہے اور جو انسان اپنے کسی جذبہ اور خواہش کا بندہ نہ تھا بلکہ صرف عقل کا بندہ رہا اور تمام خواہشات کو عقل کی غلامی میں دے دیا، وہ عین انسان ہے۔ اور اسلام یہی سکھاتا ہے کہ اپنی ہر خواہش کو عقل کی غلامی میں کیونکر دیا جائے۔ لہٰذا تعلیم اسلام اور تعلیم انسانیت بالکل ایک ہی چیز ہوگئی۔ تو جس حسینؑ نے اسلام کو بچایا، اس نے انسانیت کو بچایا۔ جس حسینؑ نے بے دینی کو مٹایا اس نے حیوانیت کو مٹایا، ظلم وجور کو مٹایا۔ آپ یاد رکھئے کہ اگر امام حسینؑ کربلا میں تنہا ہوتے تو کہنے میں بات آتی کہ کروڑوں انسانوں میں صرف ایک کا اس منزل پر پہنچ جانا خود ہی اس کی دلیل ہے کہ ہر انسان اس کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لئے مظلوم امام نے اپنی راہ عمل میں سوڈیڑھ سو انسانوں کو شریک کرلیا کہ اب تو میرا نقش قدم بے نظیر نہیں، میری عمر ستاون اٹھاون سال ہے، دیکھ (لو) کہ مجھ سے زائد سن رسیدہ انسان میرے نقش قدم پر چل رہے ہیں یا نہیں۔ ممکن ہے کہ تم اس جذبہ فداکاری کو بنی ہاشم کی مخصوص صنعت قرار دو۔ تو دیکھ لو۔ میرے ساتھ ہر قوم وقبیلہ کا انسان ہے یا نہیں۔ اگر کم سن بچے جوانوں کے نقش قدم پر قدم رکھنے کو تیار نہ ہوں۔ تو دیکھ لو میرے ساتھ بچے ہیں یا نہیں، اگر صنف نازک مردوں کے انداز اپنے واسطے ناممکن سمجھے تو دیکھ لو کہ میرے ساتھ عورتیں ہیں یا نہیں۔ میری طرح شاہراہِ امامت پر تم نہیں چل سکتے، تو مسلمؓ ابن عوسجہ کو دیکھو، حبیب ابن مظاہرؓ کو دیکھو، میرے عباسؑ پر نظر کرو۔ علی اکبرؑ سے سبق لو۔ اُن سے بھی زائد کم سن ہو تو میرے قاسمؑ کو دیکھو۔ تلوار اٹھانے کی اتنی بھی قدرت نہیں تو میرے بھائی کی یادگار عبداللہ بن حسنؑ کی طرح تلوار کے نیچے ہاتھ تو پھیلا دو۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اصغر کی طرح مسکرا کے تیر کے سامنے گلا تو پیش کردو۔ عورتیں تلوار نہیں اُٹھا سکتیں تو ہاتھوں میں رسیاں تو ہو سکتی ہیں، قید کی تاریک راتیں تو صبر سے گزار سکتی ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ہم تو نومسلم ہیں، نسل درنسل کے خدا پرستوں کی قوت وثبات کہاں سے لائیں تو میرے حرؑ کو دیکھو دو ہی قدم میں سیرت بدل گئی۔ عادت بدل گئی، جہنم سے جنت بدل گئی۔ حیوانیت سے انسانیت بدل گئی۔ علیؑ کی طرح شہید ہونا حسینؑ سے بھی ممکن تھا۔ حسنؑ کی طرح زہر پی لینا حسینؑ کے واسطے آسان تھا مگر کہنے میں بات آتی ہے کہ علم ویقین شہادت کے بعد حکم خدا کی اطاعت میں تلوار کے نیچے سر جھکا دینا زہر کا پیالہ پی لینا امام ہی کا کام ہے۔ ہمارے امکان میں نہیں۔ لہٰذا حسینؑ نے ڈیڑھ سو ایسے مردوں اور عورتوں کو نمونہ عمل بنا دیا۔ جن میں سے کوئی ایک بھی امام نہ تھا۔

یہ سب کے سب کل کے کل انسانیت کی تعلیم دینے کے واسطے حیوانیت کے مقابلے میں سینہ تان کے کھڑے ہوئے، ظلم کے مقابلے میں مظلومیت کی مکمل تصویر بن گئے۔ دنیا پرستی کے مقابلے میں دینداری کے جلوے پیش کرنے کو آئینہ جمال بن گئے۔ یزید اُدھر تھا، حسینؑ ادھر تھے۔ شیطان اُدھر تھا خدا ادھر تھا۔ کفر اُدھر تھا اسلام ادھر تھا۔ بے دینی وہاں تھی، ایمان یہاں تھا۔ ظلم وجور اُدھر تھا، عدل وانصاف اِدھر تھا، نفس پرستی اُدھر تھی، حق پرستی ادھر تھی۔ کثرت اس طرف تھی، قلت اس طرف تھی۔ فتح پر ناز وہاں تھا، شہادت پر مسرت یہاں تھی۔ حیوانیت کی مکمل تصویر وہ تھے، انسانیت کا مکمل نمونہ یہ تھے۔ اسی انسانیت وحیوانیت کا فرق تھا کہ یزید والوں کا ہر فعل قابل مذمت تھا اور حسینؑ والوں کا ہر عمل قابل مدح تھا۔ میں عرض کر چکا کہ خواہشات نفسانی کو عقل پر غالب کر دینا حیوانیت ہے اور تمام خواہشات کو عقل پر غالب رکھنا عین انسانیت ہے۔ اسی کلیہ کے دو زبردست آئینے کربلا کے میدان میں مقابلے پر تھے۔ پیاس میں ہرا چھا اور بُرا پانی پی لینا عین حیوانیت ہے اور اپنا پانی حر کے لشکر کو پلا دینا عین انسانیت ہے۔ دوسروں پر پانی بند کر کے نہر کی بہتی موجوں سے سیر ہونا حیوانیت ہے اور قدرت ہونے کے بعد بھی پیاس سے زبان چبانا عین انسانیت تھی۔ بڑے سے بڑے زبردست شیر کو بھی تین چار دن پانی نہ دیجئے تو وہ آپ کے سامنے سر اطاعت جھکا دے گا۔ یہ ہے حیوانیت، مگر تین دن کی پیاس برداشت کر کے تیور پر بل نہ آنا، یہ ہے انسانیت۔ نہ مانئے کہ پانی امام کے قبضے میں تھا، جب چاہتے زور امامت سے نکال لیتے۔ تو حسینؑ کے قبضے میں یزید کی بیعت واطاعت تو تھی۔ مگر وہ جانور ہے جو بھوک پیاس سے بے چین ہو کر سر نیاز جھکا دیتا ہے، مگر یہ تھی عین انسانیت۔ تین دن کی بھوک اور پیاس میں زور ایمان وہی رہا اور حیوانیت کے سامنے سر نہ جھکایا۔

کیا حسینی لشکر والوں نے یزید والوں کو زخمی نہیں کیا۔ قتل نہیں کیا؟ جی ہاں ادھر تو بہتر ہی قتل ہوئے اور اُدھر ہزاروں مرے۔ مگر اس کے بعد یہ مظلوم، وہ ظالم۔ وہ جہنم میں، یہ جنت میں۔ وہ قابل مذمت، یہ لائق مدح۔ ان کے مردے ہنس دینے کے قابل، ان کی لاشیں رو دینے کے لائق۔ یہ فرق کیوں؟ صرف اس لئے کہ کسی بے خطا انسان کا قتل جرم ہے اور کسی موذی جانور کا قتل جرم نہیں۔ ادھر جتنے شہید ہوئے وہ انسان تھے اور اُدھر جتنے قتل ہوئے وہ صورت میں جانور تھے اور وہ بھی اذیت دینے والے۔ وہ ظلم کی حمایت میں مرے، یہ مظلوم کی حمایت میں شہید ہوئے۔ ان کا قتل ہونا عین بے عقلی تھا ان کا شہید ہونا عین عقل، عین ایمان تھا، خدا کی راہ میں فدا کاری تھا، سرفروشی تھا اور اس سرفروشی میں جوانوں کے ایک پہلو میں بڈھے تھے اور دوسرے پہلو میں بچے تھے اور پس پشت عورتیں تھیں، تپتی ہوئی زمین تھی، لرزتی ہوئی فضا تھی۔ خاک برسر فلک تھا، سوزش غم میں جلتا ہوا آفتاب تھا، انگشت بدنداں ملک تھے۔ خدا کو اپنی قدرت پر ناز، بہتر کو اپنے امام پر ناز۔ دشمن کو حیوانیت پر ناز اور حسینؑ کو انسانیت پر ناز۔ وہ تیار کہ آج ظلم کی کوئی حد اُٹھ نہ رہے اور حسینؑ تیار کہ صبر کی کوئی منزل چھوٹ نہ جائے۔ صبح عاشور طالع ہوئی۔ نماز کے مصلے بچھ کے اُٹھے۔ بہادروں نے درگاہ باری میں نماز کے واسطے ہاتھ اٹھائے۔ شہادت کی تمنا، صبر کی تمنا، ثبات قدم کی آرزو ایمان پر باقی رہنے کی دعائیں کر کے جو ہاتھ ہٹے تو تلواروں کے قبضوں کی طرف۔ بڈھوں نے تیروں پر سہارا کیا۔ بچے تیروں سے کھیلنے لگے۔ خون بہا، تو ہمت بڑھی۔ زخم کھائے، تو مسکرا دیئے۔ سر کٹے تو سبک بار ہوئے۔ لاشیں گریں، تو آرام آیا۔ ساتھی نہ رہے، تو عزیز بڑھے، چچا کی اولاد، بھائی کے بچے، عباس کے بھائی۔ سب ہی نے امتحان وفا دیا۔ آخر علمدار حسینؑ بڑھا۔ پانچ ہزار پر حملہ کیا۔ صفیں توڑ کر فرات پر قبضہ کیا۔ مشک بھری، پانی نہ پیا۔ ہاتھ کٹے تو علم گرا۔ گرز پڑا تو سنبھل نہ سکے۔ آخر بھائی کو آواز دی۔ حسینؑ نے سر زانو پر لیا۔ بھائی نے بھائی کو رخصت کیا۔ زخموں کی اتنی کثرت کہ لاش بھی حسینؑ اُٹھا نہ سکے۔ اب نور نگاہ کی باری تھی۔ اٹھارہ برس کا سن، بھرپور جوانی، ماں کی تمنا، پھوپھی کی

گود کا پلا، باپ کے دل کا ٹکڑا۔ بے حد حسین و بے انتہا خوبصورت، شبیہ رسولؐ دست ادب باندھ کر آگے بڑھا۔ بیٹے کو حسینؑ نے نگاہ حسرت سے دیکھا، دل تڑپا مگر سنبھلے، گلے سے لگا کر پیار کیا، مرنے کی اجازت دی۔ جوان فرزند گھوڑا بڑھا کے چلا اور ضعیف باپ دل سنبھالے پیچھے پیچھے چلا۔ علی اکبرؑ نے مڑ کر دیکھا: ''بابا آپ کیوں زحمت کر رہے ہیں؟'' امام نے جواب دیا: ''پارہ جگر میں روکتا نہیں۔ جاؤ جاؤ خدا تم کو شہادت مبارک کرے۔ مگر نور نظر جب تک ممکن ہو منھ پھیر پھیر کے دیکھتے رہو کہ میں آخری زیارت کرتا رہوں۔''

یہ صبر کی آخری منزل تھی کہ جوان بیٹے نے آواز دی: ''بابا آخری سلام لیجئے۔'' اور باپ تڑپ کے میت پر آیا، جھک کے بچے کا منہ چوما۔ کانپتے ہاتھوں سے لاش اُٹھائی۔ جب یہ منزل بھی تمام ہوئی۔ تو خیمہ میں آ کے اصغر کو لیا۔ چھ مہینے کا بچہ گود میں اور حسینؑ کے دل کی تمنا کہ آخری ہدیہ بھی بارگاہ خدا میں پیش کروں۔

دنیا حیران ہے کہ اس بچے کو مقتل میں کیوں لائے مگر اس لئے لائے کہ دشمن کے ظلم کی انتہا کھلے۔ اس لئے لائے کہ ہر صاحب اولاد تڑپ اُٹھے۔ اس لئے لائے کہ تمام دنیا دیکھ لے کہ حسینؑ کی مجبوریاں کس حد پر تھیں۔ جو لڑکیاں حسینؑ کے ساتھ تھیں، ان میں کوئی تین برس سے کم سن نہ تھی جو بچے خیموں میں بچ گئے وہ تین برس سے زائد بھی نہ تھے۔ اتنے بچے تھوڑی ہی دیر سہی مگر پیدل چل تو سکتے ہیں، محمل یا کجاوے میں بیٹھ تو سکتے ہیں۔ مگر چھ ماہ کا بچہ گود کے بغیر کیونکر رہے۔ حسینؑ تو جانتے تھے کہ میرے بعد عورتوں کے ہاتھ بندھیں گے۔ کون ہوگا جو علی اصغر کو گود میں لے گا؟ اس لئے آغوش لحد میں لٹایا کہ میری جان اسی گہوارے میں آرام کرے۔ ہدیہ مختصر تھا مگر پیش کرنے کا انداز سخت تھا۔ بچے کو سنبھالنا آسان تھا مگر دل سنبھالنا مشکل تھا۔ مگر واہ رے حسینؑ! واہ!! دنیا کانپی مگر آپ کا ہاتھ نہ کانپا، زمین لرزی مگر اس مظلوم کے قدم نہ لرزے۔ تیر کے مقابلے سے نہ بچے نے منھ پھیرا۔ نہ حسینؑ نے۔ بچے نے مسکرا کے تیر کھایا اور بڑے اطمینان سے حسینؑ نے اصغر کے گلے سے تیر نکالا۔ بچے نے مسکرا کے باپ کو دیکھا گویا یہ مطلب تھا کہ بابا خدا کا شکر کہ میں آپ کی طرح صبر کی راہوں سے گزر گیا۔ حسینؑ نے بچے کا خون چہرے پر ملا کہ میری شہادت کا غازہ حسین اس بچے کا خون ہے جس نے مجھ کو میرے اللہ کے سامنے سرخرو کیا۔ اب تمام نذریں گذر چکیں تھیں۔ بس حسینؑ باقی تھے۔ یا ایک بیمار تھا، کچھ چھوٹی چھوٹی بچیاں تھیں یا وہ مجبور بے کس سیدانیاں تھیں۔ رخصتِ آخر کو امام خیمے میں آئے، مگر سینے سے اصغر کی میت لپٹائے ہوئے ؎

لے چلے سینے سے لپٹا کر حسینؑ اصغر کی لاش
اور پیارا ہوگیا یہ پھول مرجھانے کے بعد

بیکس ماں نے بچے کا آخری دیدار دیکھا۔ بہتے ہوئے آنسو روکے، خیمے کا پردہ پکڑ کے، دل سنبھالا کہا تو بس اتنا کہا کہ ہائے میرا بچہ۔ اس عمر کے تو بچے بھی ذبح نہیں کئے جاتے جس سن میں تجھ کو ذبح کر دیا گیا۔ ہمارے مظلوم و بیکس امام نے مرنے کی تیاری شروع کر دی۔ پھٹے پرانے کپڑے بہن سے مانگ کے پہنے کہ کوئی جسم سے اتار نہ لے جائے حسرت کی نگاہ سے ایک ایک کو دیکھا۔ صبر و سکون کی وصیت کی۔ اپنی تین برس کی بچی سکینہ کو گود میں لیا، پیار کیا، بہن کی آغوش محبت میں دیا، ''میری بہن اس بچی کا خیال سب سے زیادہ کرنا۔ تسلی دینا، دلاسا دینا، اگر پانی مل جائے تو سب سے پہلے میری بچی کو دینا۔'' خیمہ کا پردہ اُٹھا۔ بہن نے رکاب پکڑ کر بھائی کو گھوڑے پر سوار کیا اور راہِ خدا کا مسافر مسکراتا ہوا میدان جنگ میں آیا۔ تیر بڑھے کہ سینے کو بوسہ دیں۔ نیزے جھکے کہ سلام کریں۔ تلواریں کھنچیں کہ استقبال کریں۔ اور مظلوم امام نے بند قبا کھولے کہ کوئی آرزو نہ رہے۔ دو چار دس بیس نہیں ایک ہزار نو سو اکاون زخم کھائے اور حسینؑ زمین کی طرف جھکے۔ زمین لرزی آسمان کانپا، آندھیاں اُٹھیں، تاریکی پھیلی۔ میرا دل کہتا ہے کہ بسم اللہ کہہ کے نانا بڑھے۔ باپ نے

(بقیہ۔۔۔۔۔۔صفحہ ۷۸ پر)

(۱۳۵)

بولے لٹا کے جلد شہنشاہ خاص و عام　　کیوں برچھیاں لگاتے ہو بسمل ہے خود امام
تم نے تو بھائی سے وہ کیا اے فلک مقام　　شبیر تم کو جھک کے ادب سے کرے سلام
باتیں یہ سب ہیں میرے رلانے کے واسطے
آیا تھا میں تو پاؤں دبانے کے واسطے

❀❀❀

نوٹ: حضرت ماہرؔ کا یہ مرثیہ بحر مضارع میں ۲۷۹ بند کا ہے جو امام حسین علیہ السلام کے غم انگیز بیانات اور پھر امام مظلوم ہی کی شہادت پر ختم ہوا ہے مگر افسوس ہے کہ بندہ کو شکستہ حالت میں ۱۳۵ر بند تک ناتمام موصول ہوا۔ (اسیفؔ جائسی)

بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔مجلس شام غریباں

حسینؑ کا بازو سنبھالا۔ ماں گودی پھیلا کے بیٹھی کہ میرے بچے آمیں اپنے کانپتے زانو پر سر رکھ لوں۔ سر کٹے تو میری گود میں کٹے بہن گھبرا کے خیمے سے نکلی میرے بیکس بھائی میں عبا کا سایہ تو کرلوں۔ اگر مل جائے تو پانی پلا دوں۔ اور فلک سے آیت اُتری: ''یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی'' اے نفس مطمئنہ اے جانِ صبر و سکون، اے میرے حسینؑ! اطمینان کی منزلوں سے گذر کے صبر کی راہوں سے بلند ہو کر میرے تقرب کی منزل میں واپس آ۔ فتح و فیروزی کا تاج تیرے لئے میری جنت تیرے لئے۔ ساری دنیا تیری فدائی دلوں پر قبضہ تیرا۔ بس میرے حسینؑ بس، مصیبت کی دنیا ختم ہوئی۔ اب ظلم و جور کی تمام کوششیں تیرے کارناموں کو اپنے سیاہ دامن سے ڈھانک نہیں سکتیں۔ میں تجھ سے راضی اور تو مجھ سے راضی۔ بلکہ تمام دنیا تجھ سے راضی۔ ہاں یقیناً اس مظلوم امام نے وہ کام کیا کہ خدا راضی، رسول راضی، علیؑ و فاطمہؑ راضی۔ یہی نہیں بلکہ حسینؑ کا انداز شہادت وہ تھا کہ ہر مومن و مسلم راضی۔ ہر دین و مذہب مداح۔ ہر زبان پہ حسینؑ کا نام، حسینؑ کی سیرت۔ حسینؑ کا ایثار، حسینؑ کا اتحاد۔ حسینؑ کی سیاست، حسینؑ کی شجاعت۔ حسینؑ کی سرفروشی۔ واللہ کہ حسین علیہ السلام کار ہے کردی۔ زبان حال میرا دل اور ہر انصاف پسند کا عقیدہ کہہ رہا ہے کہ جب آدم نے حسینؑ پر نگاہ کی ہوگی، گلے لگایا ہوگا کہ حسینؑ تم نے میری نسل کو ملک سے بہتر کردیا۔ نوحؑ خوش کہ تم نے اسلام کی کشتی پار لگائی، ابراہیمؑ راضی کہ میری خلت نباہ گئے، اسمٰعیلؑ ممنون احسان کہ ذبیح فرات تم نے شہادت کا بار اُٹھا کے مجھے چھری کے نیچے سے ہٹا لیا۔ جناب موسیٰؑ مدح سرا کہ تم نے ظلم کا بیڑا ڈبو کے چھوڑا۔ جناب عیسیٰؑ مداح کہ حسینؑ تم نے میری جانفشانی پروان چڑھادی۔ ہاشم نازاں کہ میرے خاندان کو چار چاند لگا دیئے۔ خود محمد مصطفیٰؐ گلے سے لگائے ہوئے کہ تم نے میرا دین زندہ کردیا۔ علیؑ سینے سے سر لگائے ہوئے کہ نور نظر ادیان کی راہیں روشن کردیں۔ حسنؑ سا بھائی تاج امامت پہناتے ہوئے میرے قوت بازو تو نے میری صلح کا نتیجہ ظاہر کیا۔ اور ماں جلتی زمین پر گود پھیلائے ہوئے کہ آ میرے بچے آمیں نے تجھ کو اسی دن کے واسطے پالا تھا۔ یہ تو نانا تھے، بابا تھے، انبیاء تھے، مرسلین تھے، بھائی تھے، ماں تھی، مگر دنیا کا وہ کون انسان ہے کہ حسینؑ کی مدح و ثنا نہ کررہا ہو۔ صوفیوں کا قول کہ　　حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسینؑ
بہادروں کا دل قوی کہ حسینؑ سردار بن جائیں تو شجاعت کے جوہر کھلیں۔ فقیروں کو تسلی کہ ہمارا فاقہ تو کوئی چیز نہیں۔ دولتمندوں کو دہشت کہ حسینؑ نے سرمایہ داری کو روند ڈالا۔ بادشاہوں کی نگاہ دربار حسینی پر کہ شاہزادہ ہو تو ایسا ہو۔ مساوات کے بندے سرنیاز جھکائے ہوئے کہ غلام و آقا کو برابر کرکے دکھایا۔ سیاست والے اس میں محو کہ یزید کی سلطنت کیونکر مٹائی۔ اصول کے پابند انگشت بدنداں کہ حق کو ابھارے تو یوں ابھارے مگر بیٹی کی زبان پہ دردو نوحہ مات الفخار، مات الجود و الکرم ارے میرا باپ نہیں مر گیا، فخر و شرع مرگیا۔ جود و کرم مرگیا۔ دین و مذہب کو موت آگئی۔ اب ہم غریب ہوگئے۔ بیکس ہوگئے، ہمارا خبر لینے والا نہ رہا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ میری شاہزادی حسینؑ کی جان! تم نہ روؤ تمہارے رونے سے باپ کا دل دکھے گا۔ روح بے چین ہوگی، تمہارے باپ کو دنیا رو رہی ہے، جانور رو رہے ہیں۔ انسان رو رہے ہیں۔ حیوان رو رہے ہیں۔ زمین و آسمان خون کے آنسوؤں سے رو رہے ہیں۔ میری شہزادی مت رو۔ دوست اور دشمن رو رہے ہیں۔ ❀❀❀